ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.1 (2025)
(January to March)

# "روشنائی" تاریخی، سیاسی و انقلابی تناظر میں

# Roshanai: A Historical, Political, and Revolutionary Context

**ثانیہ بتول**
بی۔ایس اُردو اسکالر، شعبہ اُردو، تھل یونیورسٹی، بھکر
**میراں بشیر**
بی۔ایس اُردو اسکالر، شعبہ اُردو، تھل یونیورسٹی، بھکر
**عدینہ رضا**
بی۔ایس اُردو اسکالر، شعبہ اُردو، تھل یونیورسٹی، بھکر

Sania Batool
BS Urdu Scholar, Thal university Bhakkar ,Bhakkar
Meiran Basheer
BS Urdu Scholar, Thal university Bhakkar , Bhakkar
Adeena Raza
BS Urdu Scholar, Thal university Bhakkar

**Abstract:**
Sajjad Zaheer was one of the most prominent and pioneering figures of the Progressive Writers' Movement. He remained steadfast in his commitment to the ideas, ideologies, and aspirations of the movement until the very end of his life. Through this intellectual and literary movement, he not only challenged but also sought to liberate the Indian people from the shackles of conservatism, religious monopolization, feudal structures, social prejudice, and economic exploitation. His role was instrumental in introducing new literary sensibilities that emphasized realism, humanism, and social justice, thereby shaping the course of modern Urdu literature. His remarkable book *"Roshanai"* (1951), written during his imprisonment in different jails of Pakistan, stands as an authentic historical document of the Progressive Writers' Movement and its leading literary figures. In this seminal work, Sajjad Zaheer meticulously traces the intellectual, social, and political journey of the movement from its inception in 1935 up to the creation of Pakistan in 1947.

**Keywords:** Sajjad Zaheer, Progressive Writers' Movement, Roshanai, Urdu Literature, Modern Urdu Criticism, Conservatism, Religious Monopolization

سید سجاد ظہیر ۵ نومبر ۱۹۰۵ میں گولا گنج لکھنو (یو۔پی) میں پیدا ہوئے ان کے والد سید وزیر حسن چیف جسٹس کے عہدے پر فائز تھے۔ والد صاحب کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت کے اعلیٰ مواقع فراہم ہوئے۔ ان کے دیگر بہن بھائی، علی ظہیر، حسن ظہیر، حسین ظہیر، باقر ظہیر بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ سکول سے حاصل کی۔ ۱۹۲۱ میں گورنمنٹ "جوبلی ہائی اسکول" سے

میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۴ میں گولا گنج کالج سے انٹر میڈیٹ کیا۔ ۱۹۲۷ میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۱ میں اس ڈگری کو مکمل کیا۔ ایم۔ اے کا امتحان بھی آکسفورڈ یونیورسٹی سے پاس کیا۔ لندن یونیورسٹی سے بار ایٹ لا اور ڈپلومہ ان جرنلزم کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۲ میں ترقی پسند افسانوی مجموعے "انگارے" کی اشاعت پر کام کیا۔ ۱۹۳۵ میں ترقی پسند مصنفین کا ایک مینی فیسٹو تیار کیا اپریل 1936 میں ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ ۱۹۳۸ میں مارکسی خیالات پر مشتمل اخبار "چنگاری" (سہارنپور) جاری کیا۔ ۱۹۳۹ کی عالمی جنگ میں ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۴۲ میں جب حکومت برطانیہ کی طرف سے کمیونسٹ پارٹی سے پابندی ہٹا دی گئی تو سجاد ظہیر بھی دیگر ادباء کے ساتھ رہا کر دیے گئے۔ اسی دوران کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے بمبئی میں جاری کیے گئے اُردو اخبار "قومی جنگ" "نیا زمانہ" وغیرہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ۱۹۵۱ میں اخبار "عوامی دور" (اخبار حیات) کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

ان کے علاوہ نیا ادب، صبا، ادبِ لطیف، وغیرہ جیسے لاتعداد مضامین لکھے۔ ۱۹۵۱ میں روالپنڈی سازش کیس میں پاکستان کی مختلف جیلوں میں "روشنائی" اور "ذکر حافظ" (حافظ کی شاعری پر لکھا گیا مقالہ) تحریر کیا۔ ۱۹۶۲ میں مختلف جگوں (روس، پولینڈ، جرمنی، بغاریہ، چیکوسلواکیہ اور ہنگری) کے دورے کیے تاکہ اس تحریک کو پھیلایا اور فروغ دیا جائے۔ "انگارے" انکا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو ۱۹۳۲ میں پہلی بار شائع ہوا۔ "انگارے" ۹ کہانیوں اور ایک ڈرامے پر مشتمل ہے۔ پانچ کہانیاں (نیند نہیں آتی، گرمیوں کی ایک رات، دلاری، جنت کی بشارت، پھر یہ ہنگامہ) خود ساجد ظہیر کی تحریر کردہ ہیں۔ دو کہانیاں (مہاوٹوں کی رات، بدل نہیں آتے) احمد علی نے لکھی ایک کہانی (دلی کی سیر) رشید جہاں نے لکھی۔ ۱۹۴۲ میں نقوش زنداں (جیل میں اپنی بیوی رضیہ دلشاد کے نام لکھے گئے خطوط کا مجموعہ) ۱۹۶۴ میں "پگھلا نیلم" تشکیل دی (نثری نظموں کا مجموعہ) جس میں دریا، باڑھ نیا سال، نرالی راتیں، تالے، کبھی کبھی، تمہاری آنکھیں، پرانا باغ، تصویریں، آج رات، ہونٹوں سے کم وغیرہ وغیرہ کے عنوان سے نثری نظمیں درج کی گئی ہیں جو ان کی طبع زاد تخلیقات ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے پیغمبر (خلیل جبران) گورا (رابندر ناتھ ٹیگور) اوتھیلو (شیکسپیئر) وغیرہ جسے تراجم بھی لکھے۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ میں ہارٹ اٹیک آنے پر روس میں انتقال کیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی ادبی تخلیقات اور جدوجہد میں گزاری اور چالیس برس سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، مضامین لکھنے میں گزار دی۔

> "سجاد ظہیر کی پوری زندگی انتھک جدوجہد اور بے مثل ایثار کی زندگی تھی۔ نو عمری سے ہی انھوں نے ملکوں، قوم کی، بنی نوع انسان کی اور علم و ادب کی خدمت گزاری کے جو خواب دیکھے تھے، جو آدرش سامنے رکھے تھے وہ ان کے پیچھے دوڑتے رہے۔"(۱)

روشنائی (ترقی پسند تحریک کی آپ بیتی) ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند مصنفین کی تنظیم و تشکیل سے متعلق ایک مستند تاریخی کتاب ہے جس کو سید سجاد ظہیر نے ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی کیس میں گرفتاری کے دوران پاکستان کی مختلف جیلوں میں ضبط تحریر میں لائے۔ سید سجاد ظہیر نے اپنے رفیقوں کے ہمراہ ۱۹۳۵ء کو لندن میں ترقی پسند تحریک کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۳۵ء میں لندن میں ترقی پسند تحریک کا مسودہ تیار کیا گیا جس میں ڈاکٹر ملک راج آنند، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ڈاکٹر جیوتی گھوش، پرومو سین گپتا، اور ڈاکٹر سجاد ظہیر وغیرہ شامل تھے۔ مسودہ تیار ہونے کے بعد مینی فیسٹو ہندوستان بھیج دیا گیا تاکہ ہندوستانی ادیب اس پر اپنی رائے قائم کر سکیں۔ اس مسودہ پر ڈاکٹر

پریم چند، علی عباس، فراق گھور کھپوری، مولوی عبد الحق، حسرت موہانی، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر عابد حسین وغیرہ نے دستخط کیے یہ مسودہ مندرجہ ذیل تین پہلوؤں پر مشتمل تھا۔

(i) ادب کو جدیدیت سے ہم آہنگ ہونا چاہیے ادب کو عالمی اور معاشرتی دونوں سطحوں پر ہونے والی تبدیلیوں کا احاطہ کرنا چاہیے ۔ادب کو
معاشرتی مسائل اور ان کے حل سے آشنا ہونا چاہیے۔

(ii) ایسا ادب تخلیق کرنا چاہیے جو رومانویت، قدیم روایت، ماضی پرستی اور مذہبی تفریقات کی حوصلہ شکنی کرے۔

(iii) تیسرا پہلو سیاسی و سماجی قسم کا تھا کہ ادب کو معاشرتی مسائل اور اس کے حل سے آگاہ ہونا چاہیے۔ ادب معاشرے میں غریت، افلاس بھوک، اجارہ داری، آمریت پسندی، جاگیر دارنہ نظام کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرے اور مارکسی نظریات کا حامل ہونا چاہیے۔

ترقی پسند تحریک نے نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی مختلف پہلوؤں میں حمایت کی بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو پسماندگی اور جہالت سے نکال کر لسانی شعور کی طرف دھکیلا۔ تعصبات اور استحصال کی تاریک زنجیروں کو توڑ کر روشن رستوں کی جانب گامزن کیا۔ اس تحریک میں وقت کے ساتھ ساتھ اتار چڑھاؤ آتا رہا مگر ترقی پسند مصنفین کہیں بھی وقت کے ساتھ، مصالحت کرتے ہوئے دیکھائی نہ دیئے اور تا آخر دم اپنے ترقی پسند نظریات اور عزائم پر مستقل مزاجی سے ڈٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

روشنائی ترقی پسند تحریک (۱۹۳۵) کے آغاز سے قیام پاکستان (۱۹۴۷) تک کا سفر کرتی ہے۔ اور اس میں واقعاتی کینوس کو تفصیلات سے اندراج کیا گیا اور یہ وہ دور تھا جب ترقی پسند اور قدامت پسند نظریات اور طاقتوں کے درمیان تصادمی کشمکش تھی۔ ہر دور کی سماجی قوتوں نے ترقی پسند ادب کو پروان چڑھایا روایت کے بجائے ترقی پسندی کے رجحانات کو ترجیح دی۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ترقی پسند رجحانات نے قدامت سے اپنا رشتہ منقطع کیا یا قدیم روایت کو بالائے طاق رکھا بلکہ ماضی کا ایک حسین امتزاج پیش کیا جس نے ترقی پسند نظریات میں انسپریشن کو فروغ دیا ماضی کے ادب اور روایات کا دخل موجود تو ہے مگر اس حد تک نہیں کہ وہ ہماری ترقی پسند ذہنی و فکری صلاحیتوں اور قابلیتوں کو رنگ آلودہ کر سکے۔ بقول علی سردار جعفری۔

> "جدید ترقی پسند ادب میں قدیم ادب کا جادہ ضرور سرایت کر چکا ہے لیکن اس کا اپنا جادو نیا ہے اور نیا ہونا چاہیے۔"(۲)

اگرچہ ترقی پسندی کا آغاز ہندوستان میں "انگارے" کی اشاعت اور ترقی پسند تحریک سے پہلے ہو چکا تھا۔ روسی ناول روسی انقلاب سے پہلے ہی ہندوستان کے کالجوں کے نصاب میں پڑھائے جاتے رہے اور اسی تخلیقات اور تراجم بھی ہوتے رہے جنھوں نے اجارہ داری، آمریت پسندی اور رومانویت کے خلاف آواز بلند کی۔ اگرچہ اس تحریک کو ہندوستان میں جنم لینے میں کوئی زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ اس سے پہلے ترقی پسند تخلیقات نے ہندوستان میں ترقی پسندی اور ترقی پسند تحریک کے لیے راہیں ہموار کر دی تھی اور ہندوستان کے اندرونی مسائل نے ایسے ذہن، پیدا کر دیے تھے جس نے ترقی پسندی کو فروغ دیا۔ "طلبائے ہند" جماعت جو مارکسی نظریات اور بنیادوں پر قائم ہوئی وغیرہ بھی ترقی پسند تحریک کا محرک بنی۔ اگرچہ اس تحریک کا باقاعدہ نقطہ آغاز افسانوی مجموعے "انگارے" دسمبر ۱۹۳۲ء کو ہوا جن کے مصنفین سجاد ظہیر، احمد علی، محمود الظفر اور رشید جہاں تھے۔ انگارے کی مخالفت میں عبد الماجد دریا آبادی، نیاز فتح پوری، مضامین اور اخبار "مدینہ" "سرفراز" "سچ" نے بغاوت کا علم بلند کیا اور اسے افسانوں اور مضامین کو

غیر اخلاقی اور بے راہ روی کا نقطہ آغاز قرار دیا جو جدیدیت پسندی کے نام پر اخلاقی قدروں پر ضرب تراشی کر رہے تھے۔ "انگارے" کیونکہ سماجی رجعت پرستی کے خلاف آواز بلند کی تو رجعت پرستوں کی طرف سے "انگارے" کو سخت مخالفت اور پروپیگنڈوں کا سامنا کرنا پڑا اور آخر کار حکومت نے اس کو ہڑپ بھی کر لیا۔ ان کے علاوہ "اسٹیٹس مین" میں "نامہ نگار" نے بھی یہی رول ادا کیا۔ "انگارے" کے بعد علی احمد کی کتاب "شعلے" بھی وہ کردار ادا کرتی ہے جو "انگارے" نے سرانجام دیا۔

یہ تحریک انقلابی اور حقیقت پسند تحریک تھی جو ایسا ادب تخلیق کر رہی تھی جو رومانوی ادباء کو نشانہ بنا رہا تھا ان کی داخلی ادب و زندگی کو خارجی ادب و زندگی میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس تحریک نے رومانویت اور مذہبی اجارہ داری کو کھلے ہاتھوں لیا اور اس کے خلاف کھلی ضرب کاریاں شروع کر دی۔ یہ اقدامات نہ صرف رومانویت اور مذہبی اجارہ داری کے خلاف تھے بلکہ معاشرے میں موجود ان اخلاقی قدروں کے خلاف بھی تھے جو نسل در نسل چلے آرہے تھے۔ اور اس ک وجہ یہ تھی کہ ترقی پسند ادیب ان قدیم روایت اور مذہبی اجارہ داری کو جدت پسندی اور جدیدیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تسلیم کرتے تھے اور ان کا بنیادی مقصد ان رکاوٹوں کا خاتمہ کرنا تھا۔

> "رومانوی فنکاروں نے تخلیق کے میدان میں داخل مطلق العنانی حاصل کی تھی اور خارج کو بدلے بغیر اپنی ایک الگ تخیلی دنیا داخل میں سجالی تھی۔ لیکن ترقی پسند تحریک کے ادباء نے پہلی ضرب اخلاقی اقدار پر لگائی اور پھر معاشرے کی چند اہم قدروں کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دیا۔" (۳)
>
> "ہمارے بعض ترقی پسند ادیب اخلاقیات کو اضافی قرار دیتے ہیں۔ میں ان سے یہاں یہ کہوں گا کہ وہ اصول جو اخلاقیات کے جوہر دنیا بھر کی ہر قوم، ہر ملت، ہر طرز خیال میں یکساں ہوتے ہیں جو اچھائیاں یا برائیاں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں صرف انہی کی حد تک اختلاف ہے۔ اخلاقیات کی بنیادی اچھائیوں اور برائیوں کو اضافی قرار دینا بڑی غلطی ہے۔" (۴)

ترقی پسند مصنفین فکری و ادبی حوالے سے دو حلقوں میں بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک ادبی حلقہ دوسرا خالص سیاسی نوعیت کا حلقہ۔ ادبی حلقہ ادب میں آزادی کے حق میں تھا۔ ادب میں روایات کو پروان چڑھانے ادب کو سیاست سے دور رکھنے، ادب کو مقصدی اور موضوعاتی قید سے آزاد کرانے کے حق میں تھا اور خالص ادبی نظریات کا حامل تھا۔ یہ طبقہ اس حق میں نہیں تھا کہ ادب کو سیاست کے زیر اثر تشکیل دیا جائے۔ اس حلقہ کے اراکین میں احمد علی، اختر حسین رائے پوری اور پریم چند وغیرہ شامل تھے۔ جبکہ دوسرا طبقہ سیاسی نظریات کا حامی تھا اور سیاسی نظریات کا حامی تھا۔ اور سیاسی نظریات کی حمایت میں تھا جہاں سے اس تحریک میں انتشار کا آغاز ہوتا ہے۔ سیاسی، انقلابی اور اشتراکی نظریات کا حامل یہ طبقہ پہلے طبقے کی نسبت زیادہ طاقتور تھا اور اس طبقے نے ان ادبی مصنفین کو جو آزادی کے حق میں تھے تحریک سے باہر نکال دیا۔ اس سیاسی طبقے میں سجاد ظہیر، عبدالعلیم، علی سردار جعفری اور احتشام حسین وغیرہ شامل تھے۔ انتشار کی بدولت یہ تحریک حلقوں میں بٹ گئی جس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ سجاد ظہیر کو دو سال تک قید کر لیا گیا۔ ۱۹۴۲ء کو جب وہ قید رہائی پا کر آئے تو اس تحریک کو دوبارہ سے تقویت دینے کی کوشش کرنی شروع کر دی اور اس بار ادباء کی شراکت کا دائرہ

وسیع کر دیا اور وہ ادباء اور مصنفین بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے جو اس تحریک کے اغراض و مقاصد سے بالکل نہ واقف تھے اور زیادہ تر حلقہ ارباب زوق کے اراکین میں سے تھے۔

ان اراکین کے ہاں موضوعاتی سطح پر تنوع تھا جو اس تحریک کے مقاصد کو پورا نہ کر سکے۔ قید کے دوران کچھ عرصہ ٹھہراؤ کے بعد ترقی پسند تحریک نے دوبارہ سے زور پکڑنا شروع کر دیا۔ علی احمد کے علاوہ الہ آباد یونیورسٹی کے لیکچرار ڈاکٹر اعجاز حسین (اردو کے لیکچرار) رگھوپتی سہائے فراق (انگریزی کے لیکچرار) طلباء میں وقار عظیم اور احتشام حسین (ایم۔ اے اردو کے طلباء) وغیرہ نے ترقی پسند تحریک میں شمولیت اختیار کی۔ الہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر "پنڈت امر ناتھ جا" نے بھی ترقی پسند تحریک کی حمایت میں رائے پیش کی۔ اس مرتبہ ترقی پسند تحریک کو فروغ دینے کے لیے تین بنیادی مقاصد کو سامنے رکھا گیا۔ پہلا مقصد اردو اور ہندی کے ادباء شعراء اور مصنفین کو لا کر مشترکہ ترقی پسند جماعت قائم کرنا تھا۔ دوسرا مقصد اسی جماعت میں مشتمل اراکین کے تیار کردہ مسودہ پر ان کے دستخط لے کر ان کو شائع کروانا تھا اور تیسرا سب سے بڑا مقصد ہندوستان میں دیگر ترقی پسندوں سے ربطہ قائم کر کے ان کو اپنی طرف راغب کرنا تھا اور ان کے ترقی پسند خیالات سے اس تحریک کو تقویت اور فروغ دینا تھا۔ اس تحریک کے بنیادی، اجتماع میں ہندوستانی اکاڈمی نے بھی اہم کردار ادا کیا جس کے سیکرٹری ڈاکٹر "تاراچند" تھے۔ یہ اکاڈمی اردو اور ہندی ادب کی حمایت میں قائم کی گئی تھی جس کا مقصد اردو ہندی ادب کو ملا کر یکجا کرنا تھا اور ایک دوسرے کے قریب لانا تھا اس اکاڈمی کے ماتحت ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پورے ہندوستان سے مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے ادباء، شعراء اور مصنفین کا اجتماع ہوتا ہے اور یہ وہ اکٹھ تھا جس کی سجاد ظہیر کو اشد ضرورت تھی۔ جن کے ذریعے وہ مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے ادباء شعراء اور مصنفین سے مل کر ترقی پسند تحریک سے متعلق اظہار رائے قائم کرنا تھا اور اپنے ہم خیال پیدا کرنا تھا۔ اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق، جوش ملیح آبادی، منشی پریم چند، محی الدین قادری زور، عبدالسلام ندوی اور ڈاکٹر رشید جہاں وغیرہ نے شمولیت اختیار کی جن سے ملاقات کا ایک بڑا موقع فراہم ہوا۔ ان ادباء میں پریم چند ایک اہم رکن تھے جنھوں نے گرم جوشی سے ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند ادباء کو سراہا اور اس تحریک کے مسودہ پر دستخط کیے۔ ترقی پسند تحریک کو خیر مقدم کرنے کے لیے "رسالہ ہنس" کے لیے پیش کردہ قول پڑھا اور کہا "ہم اس تنظیم کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ زندہ و تابندہ ہو۔ ہمیں اصل میں ایسے ہی ادب کی ضرورت ہے اور ہم نے یہی آدرش اپنے سامنے رکھا ہے۔ "ہنس" بھی ان ہی مقاصد کے لیے جاری کیا گیا ہے۔" ان کے بعد دیگر ادباء اور شعراء نے بھی اسی مینی فیسٹو پر دستخط کر دیئے۔ سید سجاد ظہیر ہندوستانی اکاڈمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر تاراچند نے ہندوستانی اکاڈمی کی طرف سے اردو اور ہندی کے ادیبوں کی یہ کانفرنس اس غرض سے منعقد کی تھی کہ اکاڈمی میں نئی جان ڈالی جائے۔ خیر اس میں جان تو کیا پڑتی لیکن ادیبوں کا ایک جگہ پر جمع ہونا ایک اچھی بات تھی۔ بہر حال یہ کانفرنس ہمارے لیے ان سے ملنے اور تبادلہ خیال کا بڑا اچھا موقع تھا۔ (۵)"

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی پہلی باضابطہ اور منظم تحریک تھی جو خاص منصوبہ بندی کے تحت قیام عمل میں لائی گئی۔ ان سے پہلے جتنی بھی تحریکیں گزری ہیں ان کا کوئی واضح نصب العین یا منشور سامنے نہیں رکھا گیا جبکہ ترقی پسند تحریک نے اپنے واضح منشور پیش کیے اور ایک باضابطہ حکمت عملی کے طور پر امور سر انجام دیئے گئے۔ ان شخصیات سے ملاقات کے بعد سید سجاد ظہیر ترقی پسند

ادب اور تحریک کی حوصلہ افزائی کے لیے پنجاب کا دورہ کرتے ہیں لاہور میں ان کی ملاقات، فیض احمد فیض، میاں افتخار الدین، میاں رشید، میاں بشیر احمد، ممتاز شاہنواز، صوفی تبسم، اختر شہرانی، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، فیروز الدین منصور وغیرہ سے ہوتی ہے طویل بحث و مباحث اور سوالات و جوابات کے بعد اس تحریک کے مبنی فیسٹو پر تمام صاحبان کے دستخط لیے جاتے ہیں۔ اس اجتماع سے پہلے ہی لاہور میں اور ملک کے دیگر حصوں میں ترقی پسند ادبی تحریک کے بنیادی آثار نمودار ہو چکے تھے۔ بقول سید سجاد ظہیر۔

> "ہمارے ملک کے ہر حصے میں ترقی پسند ادب کی تحریک ایک ناگزیر تاریخی واقعہ کی طرح نمودر ہو رہی تھی۔ ہماری تہذیب کا ماضی اور حال اس نئے ارتقاء کا متقاضی تھا۔ ہم باہر سے کوئی اجنبی دانہ لا کر اپنے کھیتوں میں نہیں بو رہے تھے۔ نئے ادب کے بیج ہمارے ملک ہی کے روشن خیال اور محب وطن دانشوروں کے دل و دماغ میں موجود تھے۔ خود ہمارے ملک کی سماجی آب و ہوا اب ایسی ہو گئی تھی جس میں یہ نئی فصل اگ سکتی تھی۔ ترقی پسند ادبی تحریک کا مقصد اس نئی فصل کی آبکاری کرنا، اس کی نگہداشت کرنا، اسے پروان چڑھانا تھا۔"(۲)

اس تحریک کی پہلی کل ہند کانفرنس ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ کو جس کی صدارت منشی پریم چند نے کی۔ ترقی پسند تحریک کے حوالہ سے اس کے خطبے میں توازن و اعتدال موجود تھا۔ انہوں نے خطبے میں ایسے ادب کی حمایت کی جو "روایت اور انفرادیت" دونوں کو پروان چڑھائے اور ادیب کو جذباتی تخلیقات اور سیاست سے دور رکھنے کی حمایت کی۔ منشی پریم چند کے مطابق ایسا ادب تخلیق کیا جائے جو معاشرتی مسائل سے ہم آہنگ ہو اور ان مسائل کے حل میں پیش پیش نظر آئے۔ ان کا خطبہ اگرچہ ترقی پسند تحریک کے منشور کے برعکس تھا اور ان اغراض و مقاصد کے برعکس تھا جن کی بنیاد پر ترقی پسند تحریک کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انہوں نے ادیب اور ادب کی آزاد خیالی کی بات کی، ایک ایسے ادب پر خطبہ دیا جو حسن، سچائی، اور انسان دوستی پر مبنی ہو ان کے مطابق۔

> "جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح پیدا نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے، ہم میں قوت و حرارت پیدا نہ ہو، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے، وہ آج ہمارے لی بیکار ہے۔ اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔(۷)

پریم چند کے خطبے کے برعکس ترقی پسند مصنفین نے اپنے اغراض و مقاصد اور منشور کو سامنے رکھا جس کی بنا پر انھوں نے ترقی پسند تحریک کا قیام عمل میں لایا اور ایسی تخلیقات پیش کی جو اخلاقی اقدار کی پامالی اور شدت پسندی پر مشتمل تھی۔ اس تحریک کے منشور کا جب جائزہ لیا جائے تو دیگر تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی سیاسی نوعیت کی تھی اور سابقہ تحریکوں کی طرح اس تحریک نے بھی اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کی خاطر ادب کو بطور وسیلہ بنایا۔ ادب اور ادیب کو مخصوص دائروں میں پابند کرنا بھی ایک سیاسی پروپیگنڈے کے تحت کیا گیا۔ ترقی پسند راہنما ہندوستان میں اشتراکی نظام حکومت کے خواہش مند تھے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے رومانویت، مذہبی اجارہ داری، ماضی پرستی اور ان تمام نظریات کی مکمل طور پر حوصلہ شکنی کی جو ان مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹ پیش کر رہے تھے۔ اس تحریک کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد اور منشور پہلی کل ہندہ کانفرنس میں پیش کیے گئے جو خالصاً سیاسی نوعیت کے تھے۔

"اول: تمام ہندوستان کے ترقی پسند مصنفین کی امداد سے مشاورتی اجلاس منعقد کرنا اور لٹریچر شائع کر کے اپنے مقاصد کی تبلیغ کرنا۔

"دوئم: ترقی پسند مضامین لکھنے اور ان کا ترجمہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور رجعت پسندی کے خلاف جدوجہد کر کے اہل ملک کی آزادی کی کوشش کرنا۔

سوئم: ترقی پسند مصنفین کی مدد کرنا

چہارم: آزادی رائے اور آزاد خیالی کی حفاظت کی کوشش کرنا۔(۸)

"انجمن ترقی پسند مصنفین پر کمیونسٹ پارٹی کے اسی تسلط کے اثرات و نتائج پر اظہار خیال کرتے وقت انجمن کے بانی رکن پروفیسر احمد علی لکھتے ہیں کہ، ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند مصنفین کی پہلی کل ہند کانفرنس بڑی حد تک سیاسی اجتماع تھی۔ اس پر ایک مخصوص سیاسی مسلک کی گہری چھاپ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انجمن کے ساتھ ہی تخلیقی ادیبوں کی مایوسی اور بے دلی سامنے آنے لگی تھی۔"(۹)

ترقی پسند تحریک کی دوسری کل ہند کانفرنس کا دسمبر ۱۹۳۸ء میں کلکتہ میں انعقاد ہوا جس کا افتتاح رابندر ناتھ ٹیگور نے کیا۔ ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک ترقی پسند تحریک کے عروج کا دور تھا۔ اردو، ہندی اور بنگالی ادباء نے اس دورانیہ میں تحریک کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اردو اور ہندی ادباء کے مل کر کام کرنے سے اردو ہندی تنازعہ میں کمی رونما ہوئی جیسے جیسے اس تحریک کو فروغ ملتا گیا تو اس تحریک کی شاخیں دیگر مقامات لکھنو، الہ آباد، پٹنہ، آگرہ، علی گڑھ، امرتسر اور دہلی وغیرہ میں بھی قائم ہونے لگی۔ سابقہ کانفرنس کی نسبت یہ کانفرنس زیادہ کامیاب ثابت ہوئی اور تیزی سے فروغ پانے لگی۔ اس کی اصل وجہ بنگال میں فروغ پانے والے بائیں بازو کی جمہوری تحریک تھی جس میں کسان، مزدور اور محنت کش طبقات اپنے حقوق کے حصول کی خاطر لڑ رہے تھے۔ ترقی پسند تحریک بھی مارکسی نظریات کے تحت سیاسی طور پر اس تحریک کا حصہ بن گئی اور صرف کلکتہ میں ہی نہیں بلکہ بنگال کے دوسروں حصوں سلہٹ اور آسام میں بھی تیزی سے پھیلنے اور پھولنے لگی۔ ٹیگور کے علاوہ، ہیرن مکرجی، ماتما چوہدری، جے۔ ایس۔ سین گپتا، مانک سدھیند رناتھ دت، بدھ دیو بوس، تارا شنگر بنرجی اور مولانا عبدلرزاق ملیح آبادی وغیرہ جیسے معمر ادباء اور شعراء نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کی جس کی بدولت اس تحریک کو مزید فروغ ملا۔ ٹیگور انقلابی، اشتراکی اور مارکسی نظریات کو ہوا دینے میں سرفہرست رہے شمیم حنفی ترقی پسند تحریک کے سیاسی خیالات و نظریات کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

"مارکسزم، اشتراکی حقیقت نگاری کی بنیاد ہے اور اس طرح کی حقیقت نگاری بین الاقوامی سطح پر ادب میں کا سرچشمہ فیض ہے۔ ترقی پسندی کو کبھی جدیدیت کی ضد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور کبھی صالح جدیدیت کے نام سے، ترقی پسند تحریک کے شارحین نے علی الخصوص ادبی نظریہ تعبیر کیا ہے اور اس اعتراف میں جھجھکتے رہے ہیں کہ ترقی پسند ادیب کے لیے باقاعدہ اشتراکی ہونا ضروری ہے۔ لیکن حقائق اس کی تردید کرتے ہیں، اس تحریک کے ادبی معیار اور اقدار کا رشتہ اشتراکی حقیقت نگاری ہی سے نہیں بلکہ اشتراکیت کے سیاسی اور سماجی نظریے سے بھی بہت گہرا اور مضبوط ہے۔"(۱۰)

ترقی پسند ادب کی تخلیق اور اشاعت کے لیے۔ "مکتبہ اردو" قائم کیا گیا اور ترقی پسند نظریات کو اخبارات وغیرہ کی شکل میں پھیلایا گیا۔ اس حوالے سے "رسالہ ہمایوں" (میاں بشیر احمد ولد حامد علی) "ادبی دنیا" (مولانا صلاح الدین احمد) "ادب لطیف" "حلقہ ادب" اور "نیا ادب" ۱۹۴۱ء میں سبط حسن، مجاز اور سردار جعفری کے زیر نگرانی جاری ہو جس نے ترقی پسند تخلیقات کی اشاعت و فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ترقی پسند شاعری کا اگر جائزہ لیا جائے تو جوش، فیض احمد فیض، فراق، احمد ندیم قاسمی، اسرار الحق مجاز، غلام ربانی تاباں، مخدوم محی الدین، علی سردار جعفری، قتیل شفائی، ساحر لودھیانوی، احمد ریاض، کیفی اعظمیٰ، جاں نثار اختر، علی جواد زیدی، شکیل بدایونی، وغیرہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء ہیں۔ ترقی پسند شعراء نے اپنے خیالات و اظہار کے لیے صنف نظم کو برتا اور فروغ دیا۔ ان کے نزدیک غزل محض ایک تفریحی صنف سخن ٹھہری، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ترقی پسند شعراء جذباتی، انقلابی اور مقصدی شعر گوئی کے حامی تھے اور غزل رومانویت و داخلیت کے زیادہ قریب تھی۔ اور قدیم روایات سے وابستہ تھی۔ جس کو انہوں ترقی پسند خیالات و اظہار کے لیے ناموزوں تصور کیا اور غزل کے بجائے نظم کو زیادہ ترجیح دی۔ غزل کو تنقیدی نشانہ بنایا گیا اور نظم کو غزل پر فوقیت دی گئی۔ نظم کی تمام تر اقسام کو انقلابی خیالات کی ترسیل کے لیے بروئے کار لایا گیا پابند نظم سے لے کر مصریٰ اور نظم آزاد تک انقلابی تجربات کیے گئے۔ اگر چہ کچھ شعراء ایسے بھی تھے جنھوں نے غزل کا استعمال کیا اور اس میں جذباتی و انقلابی نظریات کو موضوع بنایا اور غزل کو ترقی پسند نظریات تک محدود رکھا۔

> "ترقی پسند تحریک بنیادی طور پر ایک مخصوص نظریے کو اجاگر کرنے کے لیے قائم ہوئی تھی۔ اس لیے زیادہ تر شعراء نظم کی طرف متوجہ رہے۔ اگر چہ فیض، مجاز، ساحر، ظہیر، ندیم، قتیل وغیرہ نے اچھی غزلیں بھی کہیں لیکن مجموعی طور پر شعراء نے نظم ہی کو اپنے موضوعات کے اظہار کے لیے مناسب پایا۔ تاہم کم از کم تین شعراء ایسے ہیں جو غزل کی صنف کو اظہار خیال کے لیے زیادہ موزوں سمجھتے رہے۔ یہ شعراء جذبی مجروح اور شکیل ہیں۔"(۱۱)

"اکثر ترقی پسند شعراء جنھوں نے اپنی شعری کا آغاز غزل سے کیا تھا وہ بھی نہ صرف غزل سے تائب ہو گئے بلکہ ترقی پسند شعراء کو غزل نہ کہنے کی تلقین بھی کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ غزل کو محض انفرادی و داخلی جذبات کی ترجمانی کرنے والی صنف سخن قرار دیتے تھے۔

ان کے نزدیک غزل ترقی پسند خیالات و نظریات پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے۔"(۱۲)

اگر چہ ترقی پسند شاعری کا آغاز علی گڑھ تحریک، انجمن پنجاب لاہور ان سے پہلے نظیر اکبر آبادی وغیرہ سے ہو چکا تھا۔ محمد حسین آزاد، حالی، شبلی نعمانی، کی شاعری میں ترقی پسندی اور مقصدیت نظر آتی ہے۔ اقبال کی ترقی پسندی معنوی اعتبار سے ترقی پسند تحریک کی ترقی پسندی سے اختلاف ہے اگر ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء کا ذکر کیا جائے تو جوش ملیح آبادی کو اولیت حاصل ہے ان کی نظمیں: نظام نو""انسانیت کا کورس""غلاموں کی بغاوت" "ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام" وغیرہ ترقی پسند اور انقلابی نظریات کی حامل نظمیں ہیں۔ جوش کے بعد فیض احمد فیض بھی ترقی پسند تحریک کا دوسرا اہم رکن ہیں جن کی انقلابی شاعری کو آج تک بقائے دوام حاصل ہے۔ ذوق علی سردار جعفری مخدوم محی الدین، جاں نثار اختر وغیرہ بھی مشہور ترقی پسند شعراء میں سے تھے۔ فراق گورکھپوری کے بارے میں سید سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

"فراق کا درجہ اردو شاعری میں بہت بلند ہے۔ ان کا شمار اردو کے چند سب سے بڑوں شاعروں میں کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ہماری شاعری کو لازوال شعر دیئے ہیں۔ ان کے بلند مرتبہ اشعار کا آفاقی درد، ان کی گہری اداسیاں، جن سے تزکیہ نفس ہوتا ہے، جسمانی حسن اور شہوانی کیفیات کو روحانی بلندیاں، بخشنے کا ان کا مخصوص انداز، ان کے لہجے کی ترنم نرمیاں، اردو شاعری کو بہت آگے لے گی ہیں، انہوں نے ہماری انسانیت کو گہرا کیا ہے لیکن مجموعہ کلام میں جواہر پاروں کے ساتھ ساتھ روایتی غزل سے صفحوں کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔"
(۱۳)

پریم چند کو ترقی پسند افسانہ نگاری میں اولیت حاصل ہے۔ ترقی پسند تحریک سے پہلے ہی ہندوستان میں مذہبی اجارہ داری، آمریت پسندی، ظلم و بربریت اور دیگر حالات و مسائل کو قلم بند کر چکے تھے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں میں پریم چند (کفن) سجاد ظہیر اور دیگر افسانہ نگار (انگارے) کرشن چندر (تین گنڈے، ان داتا، برہم پترا اور پیاسا) احمد علی (شعلے) علی سردار جعفری (منزل) حیات اللہ (انوکھی مصیبت) احتشام حسین (ویرانے) اختر حسین رائے پوری (دیوان خانہ، جسم کی پکار) اوبندر ناتھ اشک (ابال، چٹان، کونپل) خواجہ احمد عباس (انتقام، چڑھاؤ اتار، ایک لڑکی) اختر انصاری (دریا کی سیر، ستارہ، ڈپٹی صاحب) احمد ندیم قاسمی (الحمد اللہ، مولوی ابل) ، سید انور (جنت کے دروازے پر، ظلمت کمند)، وغیرہ اہم شخصیات ہیں۔ جنھوں نے ترقی پسند افسانہ نگاری کو تقویت بخشی۔ ان افسانہ نگاروں میں کچھ افسانہ نگار ایسے بھی تھے جو ترقی پسند تو تھے مگر ان کی تخلیقات اخلائی پستی سے لبریز تھی اور ان کے نظریات بھی ترقی پسند تحریک کے مقاصد کے برعکس تھے اور سماجی سطح پر ترقی پسند تحریک کو اخلاقی کمزوری کی طرف دھکیل رہے تھے تو ایسے افسانہ نگاروں کو اخلاقی پستی کا الزام عائد کر کے تحریک سے خارج کر دیا گیا جس میں سعادت حسن منٹو، حسن عسکری، ن۔ م۔ راشد، میرا جی وغیرہ شامل ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے افسانہ نگاری کو ہوا دی۔ ان کے لیے راہیں ہموار کی اور موضوعاتی سطح پر وسعت پیدا کی۔ ادب کو سماجی و معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور سماجی حقائق اور قدروں کے معیارات کو واضح کیا۔ اس تحریک سے صنف افسانہ کو سب سے زیادہ فروغ ملا اور افسانہ نگاری نے جدید تجربات کے اثرات کو قبول کیا۔ طبع زاد افسانوں کے علاوہ جدید طرز کے دیگر زبانوں میں لکھے گئے افسانوں کے اردو تراجم بھی کیے گئے جس سے سماجی سطح پر افسانوی ادب میں زبردست انقلاب پیدا ہوا۔

"ترقی پسند تحریک نے یوں تو اردو کی تقریباً ہر صنف کو متاثر کیا، لیکن اردو افسانے نے سب سے زیادہ اثر قبول کیا۔ ترقی پسند افسانہ نے صحت مند روایات کے ساتھ ہی نئے سماجی موضوعات اور جدید تجربات کو اپنایا اور ایسے زندگی یا مقصد سے جوڑ کر پیش کیا۔ اسی وجہ سے ترقی پسند افسانہ عوام و خواص میں مقبول صنف ادب کی حیثیت رکھتا ہے۔"(۱۴)

اشتراکی اور مارکسی نظریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ترقی پسند ناقدین نے ادب کا تجزیہ کیا۔ ادب میں سائنسی شعور کے مطابق نئے تنقیدی زاویے کے حوالے سے اختر حسین رائے پوری تحریک میں صف اول میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ادب میں افادی پہلو کو تلاش کیا ان کے مقالہ "ادب اور زندگی" کو ترقی پسند تنقید میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہی "مقالہ "ترقی پسند تحریک کا محرک بھی

بنا۔ سجاد ظہیر کی "روشنائی" بھی تنقید کا اشتراکی۔ مارکسی اور نظریاتی احساس پیدا کرتی ہے۔ مجنون گورکھپوری کی کتاب "ادب اور زندگی "ادب کی جدلیاتی ماہیت وغیرہ میں تنقید کا مارکسی اور وجدانی انداز موجود ہے۔ علی سردار جعفری تنقید میں انقلابی پہلو کو واضح کرتے ہیں ۔ترقی پسند تحریک میں ان کا لہجہ جارحانہ اور تلخ ہے۔ اور ان میں مناظروں کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ ان کی کتاب "ترقی پسند ادب" اس حوالے سے بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم کی تنقید میں "جمالیاتی تنقید" کو مدنظر رکھا گیا۔ ممتاز حسین ترقی پسند تحریک میں دیگر ناقدین سے الگ نظر آتے ہیں۔ ان کے مضامین "جمالیاتی حظ اور افادیت" "مارکسی تنقید کا نظریہ" "ترقی پسند ادب" اور "عوامی دور" میں ان کی تنقید مارکسی اور علمی بنیاد پر استوار کی گئی ہے۔ اختر انصاری ادب میں مقعدی اور افادی پہلو کے حق میں تھے۔ ظہیر کاشمیری نے اپنے مضامین "لینن اور لیٹریچر" "مارکس کا نظریہ ادب" وغیرہ کو طبقاتی تنقید کے حوالے سے دیکھا۔ فیض احمد فیض نے جمالیاتی تنقید کو ترجیح دی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مارکسزم حقیقت پسند اور عملی تنقید کو ملحوظ خاطر رکھا۔ ان کے مضامین "اردو شاعری میں ہیت کے تجربے" "جدید شاعری کا انحطاط" "اردو افسانہ نگاری پر ایک نظر" اور "جدید اردو شاعری می عریانی" وغیرہ جدید اردو تنقید میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ وقار عظیم نے ترقی پسند تحریک میں سماجی، عمرانی تنقید کو اہمیت دی۔ آل احمد سرور نے ترقی پسند تنقید میں صداقت، سچائی اور توازن و اعتدال سے کام لیا۔ ترقی پسند تحریک نے ادب اور زندگی کے درمیان تعلق کو واضح کیا اور نئے تنقیدی تجربے کیئے جس کا بنیادی مقصد ادب کو زندگی اور زندگی کے مسائل سے ہم آہنگ کرنا تھا اور نئی حقیقتوں سے آشنا کرنا تھا۔ ترقی پسند تحریک نے ایک ایسا ادب تخلیق کرنا تھا جو روایتی اور تخیلاتی ہونے کے بجائے حقیقی زندگی، تہذیب و تمدن سماجی اور معاشرتی پہلوؤں کی عکاسی کرے اور افادیت پر مبنی ہو۔

> "اس تحریک نے جدید تنقید کو جنم دیا اور عام تنقید کی سطح کو بلند کیا تنقید کو خالص جمالیاتی اور فنی دائرے سے نکال کر سماجی اور تاریخی مطالبہ پر زور دیا۔ ترقی پسند تحریک نے بہت سے ادبی تجربے کیے جو مواد اور ہیت دونوں لحاظ سے اہم ہیں۔ (۱۵)"

۱۹۴۱ء میں جرمن اور برطانوی سامراج کے درمیان ہونے والی جنگ میں ترقی پسند تحریک بھی اپنے وطن کی آزادی کی خاطر زور پکڑتی ہے جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ برطانوی حکومت ہندوستانی وسائل کو اپنی جنگی قوتوں میں ضائع نہ کرے اور ہندوستان کو اپنے قبضہ سے رہا کر دے۔ ہٹلری فاشزم اور برطانوی سامراج کے درمیان لڑائی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر ترقی پسند تحریک کو بھی ہوا دی گئی اور جنگی صورتحال کو سامنے رکھ کر حکمت عملی تیار کی گئی تاکہ اس تحریک و اور قومی اتحاد کو مستحکم بنایا جائے اور وطنی آزادی کیلئے برطانوی سامراج پر دباؤ ڈالا جائے۔ اس تحریک میں ایسے اراکین بہت کم تھے جن کو یہ خیال آسکے کہ ہٹلری فاشزم کی کامیابی سے ملک نے اور بھی زیادہ خطرے میں چلے جانا ہے اور ہمیشہ کے لیلے فاشزم سامراج کے ہاتھوں غلام بن جانا ہے۔ اگرچہ ۱۹۴۱ء کے آخر میں اور ۱۹۴۲ء کے شروع میں کانگرسی اور کمیونسٹ پارٹی کے رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا تو اس بکھری ہوئی تحریک اور اس کی ٹوٹی ہوئی شاخوں کی دوبارہ سے تنظیم و تشکیل کے لیے جدوجہد شروع کر دی گئی۔ سبط حسن، ڈاکٹر عبدالعلیم، سجاد ظہیر وغیرہ کا یہ خیال تھ کہ اس درہم برہم تنظیم کو دوبارہ سے تشکیل دینے کیلئے ایک کانفرنس منعقد کی جائے اور اس تحریک کی اجتماعیت کو دوبرہ سے بحال کیا جائے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۴۲ء میں دہلی میں تیسری کل ہند کانفرنس کا نعقاد کیا گیا اور انتظامی امور کی ذمہ داری کرشن چندر کو سونپ دی گئی۔ اس دورانیہ میں دو اجلاسوں کا انعقاد ہوا ایک ترقی پسند مصنفین کا دوسرا غیر ترقی پسند مصنفین کا اجلاس جس میں جنگی صورتحال کو دیکھ کر آزادی کی خاطر

پالیسیاں طے کی گئی۔ چنانچہ اس کانفرنس میں ترقی پسند اور غیر ترقی پسند مصنفین تمام نے شرکت کی جن میں مولانا صلاح الدین، حفیظ جالندھری، منٹو، میراجی، قیوم نظر کے علاوہ لاہور اورامر تسر سے ادبی مصنفین کا کثیر تعداد میں اجتماع ہوا اور تحریک میں دوبارہ سے جان پڑی۔ اس بار اس تحریک میں "حلقہ ارباب ذوق" کے ارکین بھی شامل ہوگئے جو وطنی آزادی کے خواں تھے۔

> "اس کانفرنس کا سب س اہم کام یہ تھا کہ اس میں جنگ سے متعلق ہم سب نے متفق ہو کر ایک ریزولیوش منظور کیا جس میں ہندوستانی ادیبوں اور فنکاروں نے یہ اعلان کیا کہ ان کی ہمدردیاں اتحادی قوم کے ساتھ ہیں۔ اور وہ فاشزم کے خلاف ہیں اس سلسلے میں انہوں نے اپنے قلم اور اثر کو جمہوری جنگی کوششوں کی حمایت کے لیے استعمال کرنے اور ملک کو فاشزم کے خطرے سے آگاہ کرنے کے تہیہ کا اعلان کیا۔"(۱۶)

ترقی پسند مصنفین کی چوتھی کل ہند کانفرنس کا نعقاد مئی ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں ہوا جس کا صدارتی خطبہ ایس۔ اے ڈانگے صاحب کے سپرد کیا گیا۔ مرہٹی ادیبوں میں ڈانگے صاحب کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے اور اس تحریک سے پہلے ملک کی دیگر تحریکوں میں بانیوں کی حیثیت سے امور سر انجام دیتے رہے مرہٹی زبان کے باوجود انھوں نے کانفرنس کا خطبہ انگریزی زبان میں دیا جن کو ہر زبان سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے پسند کیا اور مختلف زبانوں میں اس خطبہ کو کتابی شکل میں شائع بھی کیا گیا۔ یہ کانفرنس سابقہ تینوں کانفرنسوں میں سب سے زیادہ بہترین کانفرنس گزری جس نے جنوبی ہند اور وسطی ہند کے علاقوں میں ہلچل مچادی۔ ان علاقوں سے وابستہ مختلف زبانوں (مرہٹی، ہندی، اردو، ملیالم، تیلگو، گجراتی، پنجابی، بنگالی وغیرہ) سے تعلق رکھنے والے ادیبوں کے علاوہ خود بمبئی میں بھی کثیر تعداد میں ادیبوں نے کانفرنس میں شمولیت اختیار کی جبکہ جنوبی ہند کی زبانوں سے تعلق رکھنے والے ادباء میں ڈانگے صاحب (مرہٹی زبان) پنڈت راہل سانسکرتائن (ہندی) سچپائیا (تیلگو) وغیرہ شامل تھے۔ شمالی ہند میں ڈاکٹر علیم، جوش، کرشن چندر سبط حسن، مجاز احمد عباس، رضا انصاری وغیرہ اردو ادباء شامل تھے۔ بمبئی کانفرنس نے نہ صرف بمبئی کی حدود و قیود میں شہرت حاصل کی بلکہ مختلف علاقوں، ادیبوں اور زبانوں کے ہاتھوں فروغ پایا۔ بمبئی کانفرنس کا بنیادی مقصد جنگی صور تحال سے پیدا کردہ حالات وواقعات اور اس کے اثرات کو مد نظر رکھ کر ادیبوں کی اور ترقی پسند مصنفین کے فرائض کا تعین کرنا تھا اور ایک ایسا اعلان نامہ تیار کیا گیا جو جنگی صور تحال پر مختلف خیالات و نظریات رکھنے والے ادباء پر مشتمل تھا اور جن کا مقصد اکٹھ کی صورت میں ادب کا دفاع کرنا تھا اور انجمن کے مرکز کو لکھنو سے بمبئی میں منتقل کرنا تھ کیونکہ بمبئی میں مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے جنوبی ہند کے ادباء کی کثرت موجود تھی جنھوں نے اس کانفرنس کو فروغ دیا اور اب یہ ضروری سمجھا گیا کہ کانفرنس کا مرکز بھی بمبئی میں منتقل کر دیا جائے اور نئی مجلس عاملہ کا انتخاب کیا جائے۔ یہ کانفرنس سب سے زیادہ مقبول کانفرنس تھی۔ جس میں ڈیلی گیٹوں، کسانوں، مزدوروں نے کثیر تعداد میں حصہ لیا کانفرنس کے اختتام پر مشاعرے کا انعقاد بھی کا گیا جس میں دو ہزار سے زائد عوام نے شرکت کی۔ مئی ۱۹۴۳ بمبئی کانفرنس سے لے کر قیام پاکستان تک اس تحریک نے خوب ترقی و فروغ پایا۔

> "اس کانفرنس میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے اردو، ہندی، بنگالی، پنجابی، مرہٹی، گجراتی، کنڑی، ملیالم، تیلگو، زبانوں کے ادیب شامل تھے۔ وسطی اور جنوبی ہند کی زبانوں کے ادیبوں کی اتنی بڑی نمائندگی اس سے پہلے ہماری

کانفرنس می کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا سبب ایک تو یہ تھا کہ اس زمانے میں
ہماری تحریک جنوبی ہند کے علاقوں میں پھیل گئی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ
کانفرنس بمبئی میں ہو رہی تھی اور اردو کی بھی اچھی نمائندگی تھی۔"(۱۷)

آزادی سے پہلے ترقی پسند تحریک نے خوب فروغ پایا لیکن تقسیم ہندوستان کے ساتھ ساتھ ترقی پسند تحریک بھی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے اور دو لخشوں میں بٹ جاتی ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا بھارت میں اور دوسرا ٹکڑا پاکستان میں فروغ پانے لگتا ہے۔ اس دورانیہ میں ترقی پسند تحریک کو ہجرت، بھوک، افلاس، قتل وغارت وغیرہ جیسے نئے مسائل اور حالات وواقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان حالات وواقعات کے مطابق تخلیقات کی گئی۔ ان کے برعکس ترقی پسند تحریک کا ادبی پہلو کے بجائے سیاسی پہلو کھل کر سب کے سامنے آنے لگا۔ ادب سے سیاسی کام لیا جانے لگا اور سیاسی مقاصد کو حب الوطنی پر فوقیت دی جانے لگی اور ایسی تخلیقات تخلیق کی جانے لگی جو وطن پرستی کے بجائے سیاسی مقاصد پر مبنی تھی۔ ان کے برعکس ایک گروہ وہ بھی تھا جو ادب اور حب وطن کے دفاع میں تھا جن میں حسن عسکری اور صمد شاہین وغیرہ شامل ہیں۔ اس حوالے سے "پاکستانی ادب" تنظیم بھی اہم کردار ادا کرتی ہے جس نے مذہب کے ذریعے وطن پرستی کا دفاع کیا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے تحت ترقی پسندوں نے جو تجاویز پیش کی وہ خالصتاً سیاسی نوعیت کی تھی جن کی وجہ سے یہ تحریک پھر سے دو لخشوں میں بٹ گئی۔ ترقی پسندوں کا وہ گروہ جو ادبی نظریات کا حامل تھا ادبی دفاع کی خاطر اس تحریک سے علیحدہ ہو گیا اور یوں ترقی پسند تحریک کو حکومت وقت اور ادبی حلقہ دونوں کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ ۱۹۴۹ء میں ترقی پسند تحریک نے جو منشور پاس کیا تھا ان کے مطابق حکومتی نظام کو نظر انداز کر کے ادب کو صرف ترقی پسندوں تک محدود کر دیا گیا۔ غیر ترقی پسندوں کے لیے ادب تخلیق کرنے پر بائیکاٹ لگا دیا گیا جس میں اس تحریک کا سیاسی پہلو کھل کر واضح ہو گیا۔ ۱۹۵۲ء میں ترقی پسند تحریک نے مولوی عبدالحق کی صدارت میں کراچی میں ہونے والی کانفرنس میں ایک اور منشور پاس کیا جن کا مقصد مخالفین اور حکومت کو یہ ثابت کروانا تھا کہ ترقی پسند تحریک ایک ادبی تحریک ہی ہے مگر ان کے باوجود بھی حکومت وقت کی طرف سے سیاسی تحریک ہونے کی بدولت ۱۹۵۳ء کو اس تحریک پر پابندی لگا دی گئی۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ترقی پسندوں نے جو سیاسی تجاویز پیش کی وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

"اول: امن، آزادی، جمہوریت اور اقلیتوں کا تحفظ۔
دوم:۔ اردو کو پاکستان میں ذریعہ تعلیم بنانے کی ضرورت۔
سوم:۔ تہذیبی اور تعلیمی مہم۔
چہارم:۔ ہندوستان اور پاکستان کا تہذیبی اشتراک۔
پنجم:۔ انڈین یونین کے ادیبوں کو پیام تہنیت۔
ششم:۔ پناہ گزینوں کا مسئلہ اور اجارہ داری کے خاتمے کی فوری ضرورت۔"(۱۸)

ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ ایک اور جماعت "حلقہ ارباب ذوق" بھی فروغ پانے لگی جو ترقی پسند تحریک کے مخالف تو نہیں تھی مگر نظریات میں ان کے برعکس تھی۔ ترقی پسند تحریک کے منشور سیاسی قسم کے تھے اور ادب کو بطور وسیلہ بنایا گیا۔ مگر "حلقہ ارباب ذوق" خالصتاً ادبی نوعیت کی جماعت تھی جس کا مقصد اردو زبان وادب کا دفاع کرنا تھا۔ اور ان نوجوان طبقہ کی حوصلہ افزائی کرنا تھا جو اردو تخلیقات کو تخلیق کر رہے تھے اور اس صحافت کی حفاظت کرنا تھا جس کو ترقی پسند تحریک اپنے مقاصد کے

طور پر استعمال کرتی چلی آ رہی تھی۔ ابتداء میں "حلقہ ارباب ذوق" ایک جماعت کی شکل میں تھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ جماعت ایک تحریک کا رخ دھار گی جس نے ادب کو موضوعاتی قید سے رہا کرایا اور داخلی و خارجی دونوں پہلوؤں کو برابر فوقیت دی۔ "حلقہ ارباب ذوق" سے پہلے ہندوستان میں جتنی بھی تحریکوں نے جنم لیا وہ تمام سیاسی نوعیت کی تھی اور ان کے زیر اثر جو بھی ادب تخلیق ہوتا رہا اور تراجم ہوتے رہے وہ تمام بھی سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر تخلیق کیے گئے۔ "حلقہ ارباب ذوق" نے ان تحریکوں کے برعکس تراجم اور تخلیقات تخلیق کی اور خالصاً ادبی پہلو کو سامنے رکھا اور ادب کو "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" دونوں زاویوں میں دیکھا اور پرکھا۔ یہ تحریک کیونکہ خالص ادبی تحریک تھی تو ترقی پسند تحریک کی نسبت اس نے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ آگے چل کر یہ تحریک بھی ایک سیاسی تحریک کا رخ دھار لیتی ہے اور ادبی نظریے سے ہٹ کر سیاسی نظریے کے لیے استعمال ہونے لگ جاتی ہے۔ ترقی پسند تحریک پر جب پابندیاں عائد کی گئی تو ترقی پسند تحریک کا وہ گروہ جو ادبی نوعیت کا تھا "حلقہ ارباب ذوق" میں شامل ہو گیا اور ان کے زیر اثر حلقہ میں ترقی پسند ادب تخلیق ہونا شروع ہو گیا۔ اس گروہ نے حلقہ کو اندرونی طور پر انتشار کا شکار کر دیا اور آہستہ آہستہ یہ تحریک بھی ترقی پسند تحریک کی طرح سیاسی مقاصد کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ ان تمام بحث و مباحثے کے بعد ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ترقی پسند تحریک نے جس مقاصد کے لیے بھی ادبی خدمات سر انجام دی وہ اردو زبان و ادب میں ناقابل فراموش ہیں۔

## حوالہ جات


۱۔ قمر رئیس، سجاد ظہیر حیات اور ادبی خدمات، سایبتہ اکاڈمی، دہلی، ۲۰۰۵ء ص:۴۱

۲۔ علی سردار جعفری، ترقی پسند ادب، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۲۰۱۳ء ص:۱۵

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی، انجن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۱۵ء ص:۴۳۵

۴۔ عزیز احمد، ترقی پسند ادب، لاہور، بکس سٹی، ۲۰۲۱ ص:۱۳

۵۔ سجاد ظہیر، روشنائی، طفیل اختر، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء ص:۳۸

۶۔ ایضاً، ص:۵۱

۷۔ ایضاً، ص:۹۹

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو اَدب کی تحریکیں، کراچی، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، ۲۰۱۵ء ص:۴۴۳

۹۔ فتح محمد ملک، انجمن ترقی پسند مصنفین پاکستان، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء ص:۱۲

۱۰۔ شمیم حنفی، جدیدیت اور نئی شاعری، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸، ص:۲۲۹

۱۱۔ محمد زکریا، خواجہ "تاریخ ادبیات اردو، لاہور، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۲۳ء، ص:۳۰۴

۱۲۔ فرتاش سید، ڈاکٹر، جدید اُردو غزل کی شعریات نمایاں خدوخال، لاہور، مکتبہ جدید، ۲۰۲۰ء ص:۱۱۷

۱۳۔ سید عقیل رضوی، سجاد ظہیر کے تنقیدی زاویے، نیا سفر، ۲۰۰۶ء ص:۱۷۵

۱۴۔ متر اجم نقوی جمال، ترقی پسند تحریک، ادب اور سجاد ظہیر، کراچی ادارۂ تزئین دانش، ۲۰۰۶ء ص:۲۶

۱۵۔ شارب رُدولوی، ڈاکٹر، جدید اُردو تنقید اصول و نظریات، لکھنو، اتر پردیش اردو اکاڈمی، ص:۴۷

۱۶۔ سجاد ظہیر، روشنائی "طفیل اختر، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۶ء ص:۲۴۰

۱۷، ایضاً ص:۲۵۷

۱۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی، انجمن ترقی اُردو پاکستان ۲۰۱۵ء، ص:۴۵۵

## References in Roman Script:


1. Qamar Rais, Sajjad Zaheer Hayat aur Adabi Khidmat, Sahitya Academy, Dehli, 2005, p.41
2. Ali Sardar Jafri, Taraqqi Pasand Adab, Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Nai Dehli, 2013, p.15
3. Anwar Sadeed, Dr., Urdu Adab ki Tehreeken, Karachi, Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, 2015, p.435
4. Aziz Ahmad, Taraqqi Pasand Adab, Lahore, Books City, 2021, p.13
5. Sajjad Zaheer, Roshanai, Tufail Akhtar, Ghalib Institute, Nai Dehli, 2006, p.38
6. Ibid., p.51
7. Ibid., p.99
8. Anwar Sadeed, Dr., Urdu Adab ki Tehreeken, Karachi, Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, 2015, p.443
9. Fatah Muhammad Malik, Anjuman Taraqqi Pasand Musannifeen Pakistan, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2016, p.12
10. Shameem Hanafi, Jadeediyat aur Nayi Shayari, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2008, p.229
11. Muhammad Zakariya Khwaja, Tareekh-e-Adabiyat Urdu, Lahore, Maghribi Pakistan Urdu Academy, 2023, p.304
12. Fartash Syed, Dr., Jadeed Urdu Ghazal ki She'riyat: Numayan Khudokhaal, Lahore, Maktaba Jadeed, 2020, p.117
13. Bi Hawala Syed Aqeel Rizvi, Sajjad Zaheer ke Tanqeedi Zaaviye, Naya Safar, 2006, p.175
14. Taraajim Naqvi Jamal, Taraqqi Pasand Tehreek, Adab aur Sajjad Zaheer, Karachi, Idarah Tazeen Danish, 2006, p.26
15. Sharib Rudolvi, Dr., Jadeed Urdu Tanqeed Usool-o-Nazriyat, Lucknow, Uttar Pradesh Urdu Academy, p.47
16. Sajjad Zaheer, Roshanai, Tufail Akhtar, Nai Dehli, Ghalib Institute, 2006, p.240
17. Ibid., p.257
18. Anwar Sadeed, Dr., Urdu Adab ki Tehreeken, Karachi, Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan, 2015, p.455